شاہ بلیغ الدین

عمر ثانی

پانچویں خلیفۂ راشد

۹۹ ہجری، صفر کا مہینہ ہے۔ بنی امیہ کا ساتواں فرماں روا سلیمان بن عبدالملک بستر مرگ پر ہے۔ رجاء ن حیوٰۃ اس کے کمرے سے نکلے، باہر آئے۔ ہاتھ میں ایک لفافہ تھا حضرت رجاء بن حیوٰۃ نے لوگوں سے کہا۔ یہ لفافہ دیکھتے ہو؟ بند ہے!

لوگوں نے کہا — ہاں!

حضرت رجاء بن حیوٰۃ نے کہا۔ یہ بھی دیکھتے ہو؟ اس پر شاہی مہر لگی ہے! سب نے کہا — ہاں!

رجاء بولے! تو پھر آؤ! بیعت کرو اس شخص کی جس کا نام اس لفافے میں بند ہے۔ امیرالمومنین عبدالملک کے بعد وہی ہمارا امیر ہوگا!

لوگوں نے پوچھا۔ اس میں کس کا نام لکھا ہے؟

رجاء نے جواب دیا — دیکھتے نہیں یہ بند ہے۔ ہمیں تو بیعت اس کے لئے کرنی ہے جس کے امیرالمومنین نے وصیت فرمائی ہے۔

لوگوں نے کہا۔ نہیں! — نام بتایئے گا تو بیعت کریں گے ورنہ نہیں؟

رجاء نے جواب دیا — نام تو صرف امیرالمومنین کے مرنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے — جب لفافہ کھلے گا۔

لوگ کچھ بیعت کرنے کی طرف مائل نہ تھے۔ رجاء لوٹے۔ سلیمان کے کمرے میں پہنچے سلیمان جو آخری گھڑیاں گن رہے تھے۔ سخت انتظار اور بے چینی سے رجاء کا راستہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی پوچھا — بیعت ہوگئی؟

رجاء نے تفصیل سنائی۔ سلیمان سوچ میں پڑ گئے۔ خدا سے لو لگی ہوئی تھی۔ بار بار ذہن میں وہ الفاظ ابھر رہے تھے جو دو دن پہلے حضرت رجاء بن حیوٰۃ نے کہے تھے — امیرالمومنین اپنا جانشین آپ کو ایسے نیک پرہیزگار شخص کو بنانا چاہیے کہ آپ کو قبر میں سکون حاصل رہے۔ چنانچہ سلیمان نے اپنی ولی عہدی کے

لئے ایسا فیصلہ کیا تھا کہ خدا کے آگے جاتے ہوئے اس کا دل مطمئن تھا۔ پھر لوگوں کا کیا ڈر؟ امت کو فتنے سے بچانے کے لئے جانشینی کے دعویداروں اور ان کے ساتھیوں پر تھوڑی سی سختی کرنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ رجاء کو پاس بلایا۔ حکم دیا — ان لوگوں سے بہر صورت بیعت لو! نہ مانیں تو انہیں جانے کی اجازت مت دینا۔ رجاء لوٹے، لوگوں نے دیکھا لفافہ اب بھی بند ہے۔ لیکن رجاء کے چہرے پر اس بار عزم کی جھلکیاں ہیں! اتنے وقت میں رجاء امیر المومنین کے پاس سے لوٹے، لوگوں نے آپس میں بات چیت کر لی تھی اور ایک سمجھوتے پر پہنچ گئے تھے۔ حضرت رجاء بن حیوہ کی شخصیت بھی قابلِ احترام تھی۔ اس لئے ان کی بات ٹالتے ہوئے ہر ایک سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس مرتبہ جو رجاء آئے تو انہوں نے امیر المومنین کا حکم سنایا۔ حضرت رجاء کی ذات پر جو اعتماد تھا وہ اس مرتبہ کام آ گیا۔ ویسے سلیمان بن عبدالملک کے بارے میں بھی عام رائے اچھی ہی تھی۔ کہاں تو حکومت نہ ملنے پر ہشام کا غم و غصہ اور کہاں عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ حال کہ منبر پر آئے تو کہا — لوگو میری مرضی کے خلاف اور عام مسلمانوں کی رائے کے بغیر مجھ پر حکومت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ اس لئے سب میری طرف سے صاف الفاظ میں سُن لیں کہ تم نے امیر المومنین کے ہند وصیت نامے پر جو بیعت کی تھی، میں اس کی ذمہ داری تم لوگوں سے اتارتا ہوں تم جسے چاہو اپنا امیر منتخب کر لو۔ خدا حافظ۔

یہ کہہ کر وہ منبر سے اُتر رہے تھے کہ لوگوں نے زبردستی پکڑ کر وہیں بٹھا دیا۔ ہر طرف سے آوازیں اٹھیں ہم میں آپ سے بہتر کوئی اور نہیں ہم آپ کے انتخاب پر بہت خوش ہیں اور دل سے آپ کی بیعت قبول کرتے ہیں۔

حضرت رجاء بن حیوۃ نے ہشام سے کہا۔ اٹھو اور تم بھی بیعت کر لو۔ ہشام نے بھی جو اس جانشینی کا سب سے بڑا دعوے دار تھا۔ بیعت کر لی۔ تو پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد آپ نے کہا :-

مسلمانو! اچھی طرح سمجھ لو کہ قرآن کریم کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں اُترے گی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے بعد اور نبی پیدا نہ ہو گا۔ میں حکم دینے والا نہیں تعمیل کرنے والا ہوں۔ خدا اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرنے والا ہوں احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں کسی صورت میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پھر بھی مجھ پر تم سب سے زیادہ بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ یاد رکھو اللہ پاک کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کے کسی بندے کی فرماں برداری ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرو۔

بیعت لے کر اور خطبہ دے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز منبر سے اُترے۔ واپسی کے لئے شاہی سواری پیش کی گئی تو بولے۔ بس شکریہ! میرا "خچر" لاؤ۔ یہی میرے لئے بہتر ہے۔

پوچھا گیا۔ آپ شاہی محل جائیں گے؟

بولے۔ میرا خیمہ اس سے بہتر ہے۔ وہاں تو ابھی سلیمان کے بچے رہیں گے۔

پھر کاتب سلطنت کو بلوایا۔ یعنی حکومت کے چیف سیکرٹری کو۔ اور اپنی خلافت کا فرمان لکھوایا۔ پھر حکم دیا۔ تمام شہروں میں اس کی نقلیں بھجوا دو۔ اگر عوام نے اطلاع کو پسند کیا تو میں کام کو سنبھال لوں گا ورنہ نہیں۔

عبدالعزیز بن عبدالملک اس وقت کہیں دور تھا۔ اسے اطلاع ملی کہ بھائی سلیمان نے وفات پائی تو اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ دمشق پر حملہ کرنے کا خیال تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا فرمان ملا۔ فرمان پڑھتے ہی دوڑتا ہوا آیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا۔ تم نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا؟

بولا — ہاں۔

دمشق پر قبضہ کرنا چاہتے تھے؟

جواب دیا — ہاں۔

پوچھا — اب کیا ارادہ ہے؟

عبدالعزیز نے کہا — جی میں بیعت کرنے حاضر ہوا ہوں۔ وہ اعلان تو میں نے اس لئے کیا تھا کہ سلطنت ولوٹ مار سے بچاؤں۔ آپ جانتے ہیں دعوے داروں کی کمی نہیں لیکن جب معلوم ہوا کہ آپ کے لئے وصیّت ہوئی ہے تو دل خوش ہو گیا فوراً بیعت کرنے حاضر ہو گیا ہوں تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے۔

فرمایا — تم بیعت لیتے اور خلیفہ ہو جاتے تو میں جھگڑا نہ کرتا۔ گھر میں بیٹھا رہتا۔

عبدالعزیز نے کہا — ایسا تو سوچئے بھی نہیں۔ اللہ پاک ضرور سلیمان کو بخش دے گا۔ اس نے آپ کو ہمارا امیر بنایا۔ ۹۹ ہجری، ۲۰ صفر جمعہ کا دن تھا کہ سلیمان بن عبدالملک کا جنازہ محل سرا سے باہر نکالا گیا ہے۔ ہزاروں لوگ جمع تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے درخواست کی گئی کہ نماز جنازہ پڑھائیں۔ ولید بن عبدالملک کی نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی تھی۔ ایک تو قریبی عزیز، دوسرے عالم اور پرہیزگار، انہیں کا حق تھا کہ نماز پڑھاتے — صفیں درست ہوئیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز آگے بڑھے۔ سلیمان کی نعش کفنائی ہوئی سامنے رکھی ہوئی تھی۔ سلیمان جو کل تک خلیفہ وقت تھے — اس کا حکم

کس پہ نہیں چلتا تھا لیکن آج ع

خاموش ہو گیا تھا چمن بولتا ہوا

سلیمان ہم عمر تھا، دوست تھا، تایا زاد بھائی تھا اور برادر نسبتی تھا جب سے خلیفہ ہوا تھا آپ اس کے مشیر تھے۔ سلیمان بڑا سجیلا جوان تھا بہتر سے بہتر کپڑا پہنتا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے اس نے سبز پوشاک پہنی تھی۔ سبز ہی عمامہ سر پر باندھ رکھا تھا۔ کشیدہ قامت، اچھا ناک نقشہ، آئینہ دیکھ کر اسے خیال ہوا کہ اس نے بڑی جامہ زیب جاذب نظر شخصیت پائی ہے۔ پلٹا تو دیکھا، پاس ہی ایک بیگم کھڑی تھی۔ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی — چہرے پر خوشی کی جھلکیاں تھیں — پوچھا — کیا دیکھ رہی ہو؟

جواب میں اس نے دو شعر پڑھے — مطلب تھا — اگر تو دنیا میں باقی رہے تو بہترین دولت ہے لیکن افسوس ہے کہ انسان رہنے والا نہیں۔ میں نے تجھ میں کوئی ایسا عیب نہیں دیکھا جو دوسرے لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس کے سوا کہ تو بھی فانی ہے۔

سلیمان اپنی دلکش وجاہت پر اور بھی نازاں ہو گیا۔ یہ اس جمعہ کی بات تھی اور اسے اس جمعہ تک جینا نصیب نہ ہوا۔ سچ ہے آخر انسان کس بات پر اتراتا ہے۔ کل من علیہا فان — عمر بن عبد العزیز خود بھی بڑے جامہ زیب آدمی تھے۔ بڑے خوش لباس تھے اور اب تو حکومت بھی ان کے قبضہ میں آئی تھی۔ جوانی کے دن تھے دل دردآشنا سے پوچھا اب کیا ارادہ ہے؟

نظروں نے کہا — وہ دیکھو سامنے سلیمان کا جنازہ رکھا ہے۔ جلال و جمال کی بس یہی حقیقت ہے دل نے توبہ کی۔ زبان سے استغفار پڑھی۔ معلوم ہوا جیسے کسی نے جھنجھوڑ کر کہا ؎

مارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

صفیں درست ہو چکی تھیں۔ لوگ قبلہ رو ہو گئے تھے۔ عمر بن عبد العزیز نے پلٹ کر دیکھا، ہزاروں لوگ پیچھے یعنی اطاعت کے لئے تیار کھڑے ہوئے ہیں۔ سب کی نظریں ان پر تھیں۔ وہ امام وقت بھی تھے۔ امیر وقت بھی تھے۔ ایک دنیا پیشوائی کے لئے تیار تھی۔ نفس سرور اقتدار کے جھونکے سے سرشار ہو گیا تھا کہ نظر اٹھی سلیمان کفنایا ہوا سامنے پڑا تھا جیسے خبردار کر رہا ہو، ہستی اپنی حباب کی سی ہے۔ یہ نمائش سراب کی سی ہے موسیٰ بن نصیر کس شان کا امیر تھا۔ پانچ پانچ سو لونڈی غلاموں کا پرا اس کے حضور میں موجود رہتا تھا — سلیمان نے اس کی کیا گت بنائی۔ دانے دانے کا محتاج ہو گیا تھا۔ در در مانگتا پھرتا تھا۔ قتیبہ بن مسلم کس پائے کا سپہ سالار تھا۔ سمرقند و بخارا ہی نہیں کاشغر و سرحد چین تک پر اس نے تسلط حاصل کر لیا تھا اور محمد بن قاسم — ستاروں پہ جو ڈالتا تھا کمند۔ اسی سلیمان نے اقتدار کے نشے میں ان غیر معمولی شخصیتوں کو تباہ کر دیا۔ اور

ج وہ خود موت کے چنگل میں بے بس پڑا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دل ہی دل میں توبہ کی۔ ظلم سے جبر و استبداد سے، اقتدار کی ہوا و ہوس سے، حسد، رقابت اور کینہ توزی سے، دعائیں مانگیں کہ ۔۔ خداوندا مجھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پہلے ہی خوف خدا سے کانپنے والے۔ اقتدار ہاتھوں میں آیا تو لرز اُٹھے۔ گھر پہنچے تو لونڈی غلام آگے پیچھے ہو گئے۔ ہر کوئی مبارک باد دینے خوش آمدید کہنے آیا۔ لیکن آپ گم سم بیٹھے ہے۔ ایک خدمت گار نے ہمت کر کے پوچھا ۔۔ آقا! آج آپ اتنے رنجیدہ کس لئے ہیں؟ آج تو بڑی خوشی کا دن ہے۔

بولے ۔۔ میں اس لئے فکرمند ہوں کہ مستحق کے حق مانگنے سے پہلے اس کا حق مل جانا چاہئے۔ اگر وہ نہیں پر عرضیاں لے کر میرے پیچھے دوڑتے رہے اور اپنے حق کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتے رہیں تو خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

سہیل بن صدقہ کا بیان ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو اُن کے گھر سے رونے دھونے کا اک شور اٹھا۔ لوگوں نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ معلوم ہوا گھر میں جتنے غلام اور لونڈیاں تھیں سب کو آزاد کر دیا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے ۔۔ اب مجھ پر وہ بوجھ پڑا ہے کہ تم سب سے بے پرواہ ہو گیا ہوں۔ اب جو آزادی کا خواہشمند ہو وہ آزاد ہے جو رہنا چاہے وہ صرف ایک شرط پر رہ سکتا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت ر۔ خلیفہ کے اس حکم سے کہرام مچا ہوا ہے۔ بیوی شہزادی فاطمہ کا بیان ہے ۔۔ خلافت کے بعد جب بھی گھر آتے، نماز پڑھتے اور روتے رہتے۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا تو جا نماز ہی پر پڑ کر سو رہتے۔ پھر آنکھ کھلنے پر وہیں رکوع و سجود وہی گریہ و زاری، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

ابو امیہؒ گھر میں آتے جاتے تھے۔ انہیں امیر المومنین کے گھر میں اکثر کھانے پر روک لیا جاتا تھا۔ مسلسل مسور کی دال کھاتے کھاتے ابو امیہ نے کہا ہر وقت دال یہ کیا؟ ۔۔ شہزادی فاطمہ نے جواب دیا۔ اے بھائی تمہارے امیر المومنین کا تو کھانا یہی ہے ؎

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ جس کے فقر میں ہے حیدری و کراری

عون بن معمر کا بیان ہے۔ ایک دن امیر المومنین گھر آئے، شہزادی کو ڈھونڈا، فرمایا ۔۔ آج انگور کھانے کو بہت جی چاہتا ہے تمہارے پاس ایک درہم ہو تو منگوا لو۔

کیا زندگی تھی کہ دینار چھوڑ درہم بھی بیوی کے پاس نہ تھا ۔۔ بولی ۔۔ بہت جی چاہتا ہے تو

بیت المال سے ایک درہم کے انگور منگوا لیجیے۔ آپ تو امیر المومنین ہیں۔ سب اختیار تو آپ ہی کا ہے جواب دیا —— ہاں کیوں نہیں۔ آج تو یہ بہت آسان ہے کل خدا کو کیا جواب دوں گا۔ تھوڑی یا بہت ہے تو یہ بھی امانت میں خیانت۔

سعید بن سوید کا بیان ہے —— خلیفہ وقت نماز جمعہ پڑھانے آتے۔ جامع دمشق جیسی شاندار مسجد دلہن کی طرح ہی سجی ہوئی اور امام وقت کا یہ حال ہوتا کہ جسم پر کُرتے کے کپڑے تک نہ ہوتے۔ آگے پیچھے پیوند لگے ہوتے، جانے کتنے پیوند! ایک آدمی سے نہ رہا گیا۔ ایک مرتبہ راستے میں پکڑ کر بولا امیر المومنین! اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ آپ اچھا لباس تیار کرا لیجیے!

دیر تک سر جھکائے خاموش رہے پھر سر اٹھا کر فرمایا —— مالداری اور خوشحالی میں سنبھل کر رہنا اور قوت، اور حکومت حاصل ہو تو معاف کر دینا زیادہ افضل و برتر ہے۔

بنو امیہ کے خلفاء کا دستور تھا کہ تین سو دربان اور تین سو پولیس کے سپاہی ہمیشہ امیر المومنین کے محل پر حاضر رہتے۔ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوتے تو فرمایا۔ مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں۔ خدا میری حفاظت کرے گا اور موت کی یاد گناہوں سے بچائے گی۔ خدا مجھے اقتدار کے ان فتنوں سے محفوظ رکھے

بقیہ: افکار و تاثرات

واقع ہیں۔ ایک طرف تو ایرانی حکومت شیعہ سنی اتحاد کی بات کرے اور دوسری طرف یہ امتیاز روا رکھے۔

ایرانی حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اہل سنت کے اس مقام مقدسہ کی حرمت کو محفوظ رکھے۔

(عبید اللہ۔ راولپنڈی)

★ **برما میں مسلمانوں کی حالت زار** | برما میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں برمی حکومت نے مسلمان آبادیوں میں وفد کی شکل میں آئے ہوئے اجلاس بلا بلا کر تقریریں کر رہے ہیں کہ تم برمی حکومت کے یعنی بدھسٹ کے اپنے شادی بیاہ کا رشتہ قائم کرو۔ اور اپنی مساجد کی تعمیر کم کرو۔ بلکہ کہتا ہے کہ ایک علاقہ کی حدود میں ایک ہی مسجد ہو۔ اور اپنے بچوں کو بدھسٹ بچوں کے ساتھ ملنے جلنے کی تربیت دو۔ اور تم بھی ہمارے ساتھ مل جل کر رہو۔ چونکہ مسلمان مسلمان ہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے دار العلوم اور مکتبوں پر پابندی لگا دی ہے کہ اسلامی تعلیم کے لئے کہیں نہیں جا سکتے۔ قریبی شہر کے دار العلوم تک بھی جانے کی اجازت نہیں ہے۔ برمی حکومت نے مسلمانوں کے خلاف یہ ناپاک منصوبہ بنایا ہے کہ مسلمان برما کے باشندے نہیں۔ حالاں کہ تاریخ شاہد ہے کہ ۸۰۰ ہجری سے مسلمان وہاں آباد ہیں۔ اور مغلوں کے دور سے برما میں مسلمان رہ رہے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ نے برما کو آزادی دی تو مسلمان بھی برابر کے شریک تھے۔ مسلم اقلیت کے علاقوں میں مساجد کو شہید کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۶۰ء سے حج پر بھی پابندی عائد ہے۔ مسلمان بچوں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی کوئی سہولت نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کو ملازمت ملتی ہے۔ غرض کہ مسلمانوں پر مذہبی، ثقافتی، معاشرتی، اور سیاسی ہر قسم کی پابندی ہے۔ (عبد القدوس مجاہد۔ کراچی)